سائنٹیفک طریقے پر بحث اور مفصل تحریروں اور ان کی اشاعت کی ضرورت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ موضوع بھی سورج سے زیادہ روشن، بدیہی اور اسلام کی تاریخ کا واضح باب ہے، مگر پروپیگنڈہ کی یلغار میں چیونٹی کی رفتار کی نہیں بلکہ بڑی بیباکی، جرأت اور حوصلہ وعزم کے ساتھ پُر وقار گفتار، مستحکم کردار اور مثبت و مؤثر رفتار کی ضرورت ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان کو جان و مال اور آبرو سے متعلق جتنے حقوق بھی اسلام نے دیئے ہیں نہ صرف یہ کہ قدیم عصر حجری اور زمانۂ جاہلیت کی رسومات نے عطا نہیں کیے بلکہ اہلِ کتاب کی قانونی تشریحات اور رومن قانون ترقی نے بھی حتیٰ کہ آج تک امریکن منشورِ آزادی، فرانسیسی منشورِ حریت اور اقوامِ متحدہ کے منشورِ حقوقِ انسانی نے بھی نہیں بخشے اور جو کچھ بخشے بھی، وہ پہلی بات تو یہ کہ اسلام کے سینکڑوں سال کے بعد اور دوسری تلخ بات یہ کہ وہ صرف کاغذ پر خوشنما پھول کی طرح سجے ہوئے ہیں۔ مظلوم قوموں اور محروم افراد نے ان سے کوئی انصاف نہیں پایا۔ بلکہ ان کے لیے وہ خارِ بن کر خلش کا باعث ہیں اور تیسری بات یہ کہ آزادی کے نام پر الحاد، بے حیائی، آوارگی، قومی، لسانی، جنسی اور لونی تعصب پھیلایا گیا۔

اس موضوع پر علمی اور تقابلی انداز میں بہت اچھی اور مفید بحثیں اور ٹھوس علمی اور تاریخی حقائق سامنے لائے جاسکتے ہیں اور یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پہلے دن سے آزادی کے حدود متعین کیے ہیں تاکہ ایک شخص کی آزادی سے کسی دوسرے شخص یا قوم کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح خدا اور اس کے احکام سے بغاوت کی آزادی نہیں۔ اس کے بعد نفس کی شرارتوں، حکام کے ظلم و ستم اور شیطان کے فریبوں سے آزادی کی مکمل دعوت اسلام کے حیات بخش پیغام میں سموئی ہوئی ہے، اور اسلام نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی وہ آزادانہ حقوق اور حریات عطا کی ہیں جن کی نظیر تاریخ قدیم وجدید میں نہیں ملتی۔

شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول

تیسرا اہم موضوع شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول ہیں۔ لاریب یہ موضوع مواد اور معلومات کے اعتبار سے سہل اور اپنے حقائق کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر بدیہی ہے۔ مگر عامۃ المسلمین، سوسائٹی کے ذمہ دار افراد اور لکھے پڑھے طبقے بالخصوص قومی باگ ڈور کے منصب پر فائز افراد تک پہنچانے، انہیں سمجھانے اور ان کے دل میں مؤثر طریقے سے اس کے بٹھانے کی ضرورت ہے ـــــ اس میں کتاب و سنت اجماع اور قیاس و اجتہاد سے متعلق تفصیل سے ٹھوس حقائق اور مباحث سامنے لائے جاسکتے ہیں۔ اور یہ بات مؤثر طریقہ سے پیش کی جاسکتی ہے کہ فقہ اسلامی کی عظیم میراث اپنے اندر ایسی قانونی صلاحیت رکھتی ہے کہ ہر زمانے میں پیدا

ہونے والے مسائل کا حل اس کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور قیاس و اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اصولِ شریعت کے خلاف نہ ہوں اور کسی بنیادی اصول سے نہ ٹکراتے ہوں اور اسلامی روح یعنی کتاب وسنت سے معارض نہ ہوں کہ یہی حق جاننے کا معیار ومیزان ہے، اور کسی ایسی چیز میں قیاس واجتہاد کی اجازت ہی نہیں جس میں نص یعنی کتاب وسنت کی دلیل یا اجماع موجود ہو۔

مصلحت اور عُرفِ عام

چوتھا موضوع "شریعتِ اسلامیہ میں مصلحت وعرفِ عام" کے مقام اور اس کی اہمیت وضرورت اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کی حیثیت اور بین الاقوامی قوانین میں اس کے مروجہ تعامل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ اُجاگر کرنا ہے ——— اگر اسلامی قوانین اور فقہی احکام میں قدرے تامّل کیا جائے تو اس موضوع کی انتہائی اہمیت مزید سامنے آجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام کو قیامت تک انسانی زندگی کا ساتھ دینا ہے، اور تمام اقوامِ عالم اس کے زیرِ سایہ آئے اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اس لیے قرآن وحدیث اور تعامل صحابہؓ میں مصلحت اور عرفِ عام کو بڑی اہمیت دی گئی۔

اسی طرح تمام وہ رائج الوقت چیزیں جن میں کتاب وسنت یا اجماع نہیں ہے یعنی وہ شرعی طور پر ممنوع نہیں ہیں یا ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ان میں امت کی عام مصلحت، فائدہ اور عرفِ صحیح پر عمل کیا جائے گا ایک زندہ اور پائندہ شریعت کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ لیکن اس مصلحت، عرف اور آگے چل کر اجتہاد کے نام پر اسلامیات کے نام نہاد یورپین اور مسیحی اسکالرز (مستشرقین) اور ان کے مشرقی اسلام کے نام لیوا شاگردوں نے یہ بات عام کرنے کی پوری کوششیں شروع کر دی ہیں کہ اسلام مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اب عرب کا بدویانہ عرف ساری دنیا کے لیے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ سینکڑوں برس بعد اب وہ کیسے "قابلِ عمل رہ سکتا ہے؟ اس لیے اب عصرِ حاضر کے سارے ترقی یافتہ پیمانے ہی قابلِ قبول ہونے چاہئیں۔ مثال کے طور پر اُس زمانہ میں سُود کا رواج غلط سمجھا جاتا تھا، اب جدید تمدن کا عرف یہ ہے کہ سُود بہت بڑی تجارتی فائدہ کی چیز ہے، اس لیے اب اس کو بدل دینا چاہیئے۔ یا فلاں آوارگی، حرامکاری اور حرام خوری عام ہو چکی ہے یا فلاں شرعی قانون یا فلاں چیز اب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی اس لیے اس میں ترمیم وتبدیلی کر لینی چاہیئے۔

بہرحال اس قسم کی لاطائل باتوں اور حقیقتاً اصولِ شریعت وعقل کی ابتداء سے بھی جہالت وناواقفیت آشکار کرنے والی شریعت کی مخالف اور اسلام بیزار لیکن بظاہر علمی واستدلالی انداز شریعت کی محبت اور اسلام دوستی کا دم بھرنے والی ابحاث کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے کہ غیر شرعی قوانین شرعی ہیں اور

غیر اسلامی اقدار خالص اسلامی چیزیں ہیں' اور انسانی اوامر خدا کے احکام ہیں ــــــ حالانکہ اس سلسلے میں پہلی' اصولی اور آخری بات' جسے فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے اور یہ حضرات بھی اچھی طرح جانتے ہیں لیکن سادہ لوح علمِ دین وراصولِ فقہ سے ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پھیلانے کے منظم منصوبے اور سازش کے ماتحت اس ابتدائی اور اصولی مسلّم الثبوت، بدیہی اور دین میں معلوم بالضرورت قاعدہ سے نظر پوشی و اغماض کرتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ مصلحت اور عرف پر اسی صورت میں عمل کیا جائے گا یا اجتہاد کی نوبت اُس وقت آئے گی جب اس معاملہ میں کتاب و سُنّت کا کوئی قطعی حکم موجود نہ ہو' پھر وہاں بھی اجتہاد ان مسائل پر قیاس کے ساتھ ہوگا جن میں نص موجود ہو اور وہ روحِ شریعت اور شرعی اصولوں اور تقاضوں کے ماتحت ہوگا۔ عُرف و مصلحت کا حال بھی یہی ہے کہ عبادات و احکام میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ زندگی کے عام معاملات اور اجتماعی چیزوں میں جہاں مسلمانوں کو شارع نے آزاد چھوڑا ہے اور کسی قسم کا حکم یا ممانعت نہیں کی ہے وہاں وہ ایسے صالح عرف یا مصلحت پر عمل کر سکتا' جو اسلام کے کُلی اصولوں، شریعت کے تقاضوں اور دین کی روح کے منافی نہ ہوں۔ جیسے کھانے پینے کے حلال طریقے، لباس وغیرہ کی متنوّع شکلیں جو ساتر ہوں اور خصوصیت کے ساتھ غیر مسلم قوموں کا مذہبی شعار نہ ہوں۔ اسلحہ کے نت نئے استعمال، زراعت و صناعت کے جدید وسائل اور دنیاوی استعمال کی بیشمار چیزیں۔ لیکن یہ بات شرعاً ہی نہیں بلکہ عقلاً بھی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مصلحت، عرف یا اجتہاد کے نام پر کوئی مسلمان سُود، زنا، سُور، شراب' والدین کی نافرمانی، قتلِ نفس' چوری اور متفرق دوسرے محرّمات کو امریکہ و یورپ کے عرفِ عام پر قیاس کر کے حلال کرنے کی کوشش کرے یا بالکل اسی طرح عرفِ اسلامی میں اور نصِ قرآنی و نبوی میں منصوص طیبات جیسے شادی، طلاق، میراث، اکلِ حلال، نظامِ زکوٰۃ، توحیدِ باری تعالیٰ وغیرہ جیسی اسلام کی قابلِ فخر خوبیوں کو اپنی یورپ سے مرعوب و مسحور عقل سے کیے ہوئے اجتہاد اور غیر قوموں کے اعمال پر قیاس کر کے حرام ثابت کرنے کی راہیں تلاش کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دن کی روشنی میں چراغ کی لَو سے اپنی راہ تلاش کرنے کی سعیِ لاحاصل میں گرفتار ہو۔

بہرحال اس موضوع پر تفصیلی بحث اور واضح حقائق کو مزید اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ تعریفوں کی توضیح اور اقسام کا بیان ضروری ہے اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ کتاب و سُنّت یا شریعت کی روح کے معارض کسی مصلحت یا عُرف کو بھی اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن صحیح عرف اور مصلحت کا صحیح استعمال اسلامی طرز پر جب کیا گیا تو مسلمانوں نے اقوامِ عالم کی خوبیوں اور علوم کو اپنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا، البتہ مصلحت یا عرف کے نام پر اقوامِ عالم کی گندگیاں، آزادیاں، مشتغلین، شہوت رانیاں، غیر شرعی چیزیں اور حرام طریقہائے زندگی ہرگز نہیں اپنائے جا سکتے۔

مروّجہ قوانین میں اسلامی اقدار کی بالادستی اور تحفّظ

پانچواں اہم آئٹم ملک کے مروّجہ قوانین میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور بالادستی کے لیے ٹھوس اور مُستحکم بنیادوں پر کام کرنا ہے اگرچہ ملک کے مروّجہ قوانین میں بھی بہت سی ایسی دفعات ہیں جو شریعت کی مخالفت نہیں کرتیں لیکن بعض اہم نکات پاکستان بلکہ اکثر اسلامی ملکوں کے قوانین میں موجود ہیں جو شریعت کی روح، خدا کے حکم اور اسلام کے سراسر مخالف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے قوانین انگریزی، فرانسیسی اور جرمن قوانین سے ماخوذ ہیں جو سامراجی دورِ ظلمت میں مسلم ملکوں پر لاد دیئے گئے تھے۔

مثال کے طور پر سُود، کھیل کود میں جُوا، لاٹری اور موجودہ اصولوں کے ساتھ انشورنس (بعض اسلامی ممالک میں زنا کا قانوناً غیر شادی کے لیے کوئی جُرم نہ ہونا، باہمی رضامندی کے ساتھ اس کا جُرم نہ ہونا اور صرف زنا بالجبر کا جُرم ہونا، اور اس پر شرعی سزا نہیں ہے بلکہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں اگر میاں بیوی معاف کردیں تو مقدمہ واپس ہوسکتا ہے) یہ سب مغربی انحطاطِ اخلاقی سے متاثر قوانین کی عکاسی ہے، اسی طرح بعض ملکوں میں قتلِ عمد کی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

بہرحال یہ بحث تفصیل طلب اور ہر لحاظ سے توضیح و تفہیم کی متقاضی ہے اور یہی کرنے کا کام ہے۔ میں یہاں صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں شاید فائدہ سے خالی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اسلام نے مغربی قوانین کے مخالف کیسا عاقلانہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل کی صورت میں معافی کا حق حکومت کو نہیں دیا بلکہ وَلِیُّ الدَّم کو دیا ہے۔ اس لیے کہ یا تو اس طرح دل کا غبار اور غصّہ عادلانہ قصاص کے ذریعہ ختم ہوجائے گا یا دیت کی شکل میں اور معافی کی صورت میں ـــــ کہ اسلام نے اس پر اُبھارا بھی ہے ـــــ محبت اور اخوّت کی فضا پھر قائم ہوجائے گی لیکن اس کے برخلاف زنا جیسے اخلاقی جرم کی معافی کا حق ثبوتِ قطعی اور شروط کے پورا ہوجانے کی صورت میں ـــــ اور شروط اور شہادت کے اصول اتنے سخت ہیں کہ ان کا پورا ہونا بہت مشکل ہے ـــــ نہ حکومت کو دیا گیا اور نہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کو، کیونکہ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں اور ان میں معافی تلافی کی صورت میں بے اخلاقی عام ہوگی۔ زوجیت کے مقدس اور مخلصانہ وفا کے آئینۂ صافی پر بال پڑجائے گا۔ آبرو باختگی اور حیاسوزی کا دَور دَورہ ہوجائے گا۔ سوسائٹی میں سکون و اطمینان کے بجائے قلق، پریشانی، ندامت اور ذہنی خلجان بڑھ جائے گا اور شکوک و شبہات کا یہ طریقِ عمل آگے چل کر نفرت و حقارت کے علاوہ انتقام و غیرت کی خاطر قتل و خون کا غیر قانونی دروازہ بھی کھول دے گا۔

بہرحال اخلاق، آبرو، عصمت اور حیاء کا درجہ مغربی تہذیب اور قانون میں نہ صرف یہ کہ جانی حقوق سے

کم ہے بلکہ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ مال سے بھی کم ہے کیونکہ بعض ملکوں میں لڑکی اپنے مالی و تجارتی حقوق ——— جو اس نے بڑی جد و جہد کے بعد کچھ حاصل کیے ہیں ——— ان کا استعمال آزادی کے ساتھ ۲۱ سال کے بعد کر سکتی ہے لیکن جنسی حقوق کا ناجائز استعمال پوری آزادی بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ ۱۸ سال کی عمر ہی سے قانوناً شروع کر سکتی ہے۔ اور قانونی عمر سے بہت پہلے سوسائٹی میں عام جنسی آوارگی اور آبرو باختگی کا اندازہ تو ہم مشرقی اور مسلمان ذہن لگا ہی نہیں سکتے ——— اور یہی وہ اخلاقی "خوبیاں" اور تمدن کے "تحفے" ہیں جنہیں ترقی کے نام پر مسلمانوں کے مغربی اور مسیحی دانا دشمنوں کی سازشوں اور ایما نہ کوششوں سے فریب خوردہ مشرقی مسلمان نادان دوست اسلامی معاشرہ میں طرح طرح کے نام بدل کر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے عفت، حیا، پاکدامنی، ہمدردی، غمخواری اور کم آزاری کی تعلیم دی ہے جبکہ مغربی تہذیب نے جُوا و قمار بازی، آزادی و بے حیائی اور رنج و آزار دیا ہے ؎

صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
مے و قمار و ہجوم زنانِ بازاری

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات

ایک اہم موضوع "اسلام میں بین الاقوامی تعلقات" اسلامی ملکوں اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ غایت درجہ قابلِ توجہ ہے اور یہ بات بڑی جرأت، وضاحت اور نکھار کر دنیا کے سامنے لانی چاہیئے کہ اسلام نے اس سلسلے میں بھی ایسے کلی اصول عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ آج یورپ و امریکہ میں بھی اس موضوع پر امام اعظم ابو حنیفہ رح کے جلیل القدر شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی رح کو امامت کا درجہ عطا کیا جا رہا ہے اور ان کے نام سے بین الاقوامی سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔

اس موضوع میں جدید حالات اور زبان و ادب کو ملحوظ رکھ کر تفصیلی طور پر دارالاسلام، دارالحرب، دارالمعاہدہ اور دارالموادعہ وغیرہ کی اسلامی اصطلاحوں پر بحث کرنی چاہیئے اور مضبوط و مستحکم اور ٹھوس دلائل سے یہ بات سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے (اور اب موجودہ دور میں اس کے اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے) کہ اسلام اپنی فطرت بشریہ کے موافق قوانین اور منصفانہ اصولوں، انسانی کرامت کے احترام اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ تلوار کا استعمال شریعت کی حفاظت، جان و مال کی حفاظت، اسلامی زمین اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیا گیا اور ہمیشہ تلوار، توپ اور بم کا استعمال ضروری ہے۔ جہاد اسلام کا شعار اور فرض ہے کیونکہ ایسی ابلیس سرشت طاقتیں ہمیشہ دنیا میں موجود رہتی ہیں جو طاقت کی منطق کے سوا کسی دوسری چیز سے

ہوش میں نہیں آتیں۔ اور اسلامی ممالک میں سامراجی طاقتوں کا داخل ہونا اور عرصہ دراز تک قابض رہنا اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ جب قوت کمزور ہوتی ہے تو اسلام دشمن عناصر غلبۂ باطل کے منصوبے بناتے ہیں۔

اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آج دنیا کی ساری حکومتیں جنگی تیاریوں اور اسلحہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتی ہیں اور وزارتِ جنگ کا نام ڈیفنس یا دفاع کی وزارت رکھتی ہیں اور ان کی اس وزارت پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ راقم ایک نیا استنتاج پیش کرتا ہے، وہ یہ کہ آج ترقی یافتہ قومیں جبری ٹریننگ تمام بالغین کے لیے مقرر کرتی ہیں اور اس سے انکار کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے، لیکن اگر اسلام جہاد کو فرض قرار دیتا ہے اور یہ ایسا جامع لفظ ہے جو جنگ اور ڈیفنس دونوں سے زیادہ اہم معنیٰ اپنے اندر رکھتا ہے اور تقویٰ و اخلاق اور مجاہدہ کا مظہر بھی ہے اور یورپ سے تیرہ سو سال قبل ہر مسلمان پر اس نے فوجی ٹریننگ لازمی قرار دی ہے تاکہ وہ اپنے عقیدہ، آبرو اور حدود کی حفاظت اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کرسکیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ تماشا جہالت و تعصب، تنگ نظری اور واضح طور پر اسلام سے حسد و بغض و نفرت کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے؟ ـــــ وہی عمل جسے دنیا کی ساری قومیں ہمیشہ کرتی ہیں، اسلام بھی اگر اسے زیادہ منظم، اخلاق اور محتاط طریقے پر کرے تو اسلام دشمنوں کے باشعور ضمیر فوراً چونک پڑتے ہیں۔ اور یہی وہ باشعور اور بیدار ضمیر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی (نعوذ باللہ) خدا کی طرف سے ایسے سخت احکام صادر کرلئے ہیں جن کی رُو سے جنگ میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے، غیر مسلح شہری بلکہ پُر امن اور دشمنی نہ ظاہر کرنے والی دوسری قومیں تک سب کی سب تلوار سے قتل کی جاتی ہیں اور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت شہر تک جلا دیئے جاتے ہیں اگر ان میں عبادتِ باطلہ جاری ہوجائے۔ (استثناء ۱۳:۱۲-۱۸، ۲۰/۱۰-۱۸)

تاریخی تفصیل کا یہ موقع نہیں ـــــ بہرحال یہ زندہ ضمیر لوگ نشارلمان کی اُسی نسل سے ہیں جس نے سکسونی، بوہمی اور متعدد یورپین وثنی قوموں کو تلوار کے زور سے مسیحیت میں داخل کیا تھا۔ یہی وہ باشعور ضمیر ہیں جنہوں نے دو سو برس تک تلوار و تفنگ کے ذریعہ بلا کسی قانونی حق کے برصغیر ہند پر حکومت کی تھی، مشرقِ وسطیٰ میں پھانسیوں کے تختے لٹکائے تھے، ہیروشیما کو جہنم زار بنایا تھا، جن کے کارخانوں میں آج بھی دنیا کے سب سے مہلک ہتھیار بے شمار بن رہے ہیں، اور ان سب کوششوں کا نام قیامِ امن ہی کی کوششیں رکھا جا رہا ہے۔ لیکن ہلاکت و بربادی، خونخواری و ستم کیشی اور ظلم و ستم صرف اسلام کا فریضۂ جہاد ہی ہے؟

بہرحال حق پسند لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا منظم جنگی اور اخلاقی قانون ہے اور آج بیسویں صدی میں ماڈرن قومیں ایک طرف فوجی تربیت ہر شخص پر لازمی قرار دے رہی ہیں اور دوسری طرف جنگ کو کسی قدر اخلاقی بنانے کے لیے رولز وغیرہ بنا رہی ہیں مگر آج تک اس کے عشرِ عشیر کو نہیں پہنچ سکے جو اسلام

تیرہ سو سال قبل اپنائے تھے۔

بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ در اصل امتِ اسلامیہ ایک اُمت ہے لیکن حالات کے پیشِ نظر متعدد اسلامی ملک ہیں۔ اگر قیادت امین ہاتھوں میں ہو تو اس تعدد کے باوجود بھی متحدہ قانون بنایا جا سکتا ہے اور اسلامی ملکوں سے تعلقات اور روابط اسلامی بنیادوں پر مخلصانہ، دوستانہ اور برادرانہ قائم کرنے پر زور دینا چاہیے۔

دوسری دشمن حکومتیں ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف اقدام کرتی ہیں۔ تیسری وہ غیر مسلم حکومتیں ہیں جن سے ہمارے معاہدے ہیں، وہ ہمارا احترام کرتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظلم وستم اور تعصب سے پیش نہیں آتیں اور دوستی کا احترام کرتی ہیں، ہم بھی ان سے عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے بلاوجہ دشمنی نہیں کرتے کہ اسلام انسانی احترام کا قائل ہے اور عہد شکنی کی مذمت کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں کام کرنے والے سکالر، علماء اور مفکرین تفصیلی طور پر اسلامی حکومتوں کے زمانہ میں غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات، معاہدات اور ہدایا وغیرہ کے تفصیلی مباحث، نظائر اور کئی اہم گوشے اُجاگر کر سکتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے اصولوں پر بھی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ جدید انداز کا یہ لٹریچر جب تیار ہو اور تحقیقی و مطالعاتی ذوق رکھنے والے اور لکھے پڑھے احباب کے لیے اس سے استفادہ کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو پھر اگر کسی کی دینی تعلیم زیادہ نہ ہو، انہوں نے یونیورسٹیوں میں کیوں نہ ڈگریاں حاصل کی ہوں، آپ کی علمی کاوش اور فکری تربیت کے نتیجے میں ان کے قلب ونظر اسلام کی حقیقت سے باخبر رہیں گے، وہ دین اور علمِ دین اور فکری اعتبار سے دل کے بادشاہ رہیں گے اور دیارِ غیر میں رہنے اور وہاں پڑھنے کے باوجود اپنے سرمایۂ حیات پر نازاں، اسلامی میراث اور فقہ اسلامی کی قدر ومنزلت پر فریفتہ رہیں گے۔

شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق

موجودہ دور کا سب سے اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ "اسلامی شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق" ہے۔ یہ حقیقتِ حال تمام اہلِ فکر ونظر کے سامنے واضح ہے کہ آج کے عصرِ حاضر میں جہاں مغربی سوسائٹیوں کا معیار، اخلاقی انحطاط و زوال کی آخری ڈگری پر پہنچ چکا ہے اور قتل وغارت گری، چوری، ڈاکہ زنی، زنا، راہزنی، حرام کاری اور شراب خوری وغیرہ جیسے عیوب عام ہو چکے ہیں اور ان کے روکنے کی ساری تدبیریں بے سود ہوتی جا رہی ہیں۔ جیلوں، عدالتوں، ججوں اور وکیلوں کی ہر جگہ بہتات ہے پھر بھی انصاف اور عدالت کے خواہاں مضطرب اور بے چین ہیں۔ اس پریشان اور مضطرب ماحول میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس اخلاقی انحطاط کے خلاف کوئی مؤثر اقدام

کیا جاتا، لیکن اس کے برخلاف مجرموں کے ساتھ نت نئے ناموں اور بہانوں سے رحم وکرم کا جذبہ ابھر رہا ہے اور ان کے زیرِ سایہ اسلامی حدود پر وحشیانہ، بدویانہ، ظالمانہ اور عصرِ حاضر کے ذوق کے خلاف ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے ۔۔۔ حالانکہ یہ تاریخ اور تجربہ کی مسلّم الثبوت شہادت ہے کہ سوسائٹی کو سکون سے آشنا کرنے کے لیے جتنے بھی قوانین آج تک پردۂ ہستی پر بنائے جا سکے ہیں ان میں اسلام کا نظامِ تربیت و اخلاق اور اس کے بعد نظامِ حدود سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوا ہے۔

کیونکہ اسلام پہلے تو اپنی تعلیمات کے ذریعہ خدا پرستی، معرفتِ نفس، اخوت، ہمدردی اور طہارت وعفت کے عالی جذبات پیدا کرتا ہے، لیکن اگر چند بے راہ رو شیطان نفس کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اور سوسائٹی میں فواحش پھیلانا چاہتے ہیں تو اسلام ان کو سخت سزا دے کر سوسائٹی کو پاک وصاف بنانا چاہتا ہے۔ اور اسلامی حدود ایسی نہیں ہیں کہ اگر نافذ ہو جائیں تو عوام پریشان ہو جائیں بلکہ اس کے برعکس سب سکون وچین کی نیند سو جائیں۔ چوری، ڈاکہ، قتل، بے آبروی اور حرامکاری کا ہر داغ مٹ جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ان اعمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں انہیں اس سے بہت نقصان ہوگا اور وہ اس کے خلاف ہمیشہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، پھر حدود کو نافذ کرنے میں جس احتیاط، گواہی کے شروط اور سخت اصولوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے اور چھوٹے چھوٹے شک و شبہ سے حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اسلام نے ایک طرف انصاف و عدالت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور دوسری طرف علاج، دوا اور پرہیز کے بعد حدود کو قائم کیا ہے۔

اسلام نے شادی کے معاملہ میں آسانیاں مہیا کیں، پھر نا چاقی کی صورت میں طلاق میں رکاوٹیں نہیں ڈالی گئیں، ایمان واخلاق اور تقویٰ کا درس دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی حرام کاری کرنے والے کو سزا دی جائے گی لیکن گواہی کی ایسی سخت شرطیں رکھی گئی ہیں کہ تاریخ اسلام میں آج تک زنا کے سلسلے میں کوئی سزا گواہی کے ذریعے نہیں ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس فعلِ قبیح کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے اور سوسائٹی میں فواحش پھیلنے کو روکنے کے لیے قانون میں یہ حد رکھی گئی ہے جس کا مشاہدہ یورپ و امریکہ کے کلبوں، پارکوں، سڑکوں اور رفاہِ عام کی جگہوں پر ہوتا رہتا ہے۔ چوری چھپے، سہمتے، ڈرتے گھر کی چار دیواری میں گناہ سمجھتے ہوئے بدفعلی کا صدور ہر اُس جگہ جہاں انسان رہتے ہیں ممکن ہے لیکن علانیہ، قانون کے ذریعہ، لوگوں کی نظروں کے سامنے ثواب سمجھ کر ہر قسم کی فطری اور غیر فطری بدکرداریوں کے جواز کا فتویٰ تو غلاظت ونجاست کے عروج کے زمانہ میں روم اُمپائر کے منچلے تک نہ دے سکے تھے جسے آج قانونی سند مغربی تہذیب کے دیوتاؤں نے دے رکھی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ چوری کی وجہ سے اکثر اوقات گھرانوں کا سکون مٹ جاتا ہے، برسوں کی پونجی لُٹ جاتی ہے اور نوبت چور کی طرف سے قتل تک آجاتی ہے اور

سوسائٹی میں کسی طرح چوری ختم نہیں ہوتی ۔ اس کے برخلاف جب اسلامی حدود نافذ تھیں تو شاذونادر ہی چوری ہوتی تھی اور آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ کم چوری کی شرح سعودی عرب میں ہے ۔ حیرت نہیں تو اور کیا ہے ۔۔۔ کہ وحشی، لٹیرے اور چوری کی عادی قوم ۔۔۔ آج سے پچاس سال قبل کے احوال جاننے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں ۔۔۔ کس طرح ایماندار اور چوری سے باز رہنے والی قوم بن گئی ۔۔۔ کوئی صاحب اسکی یہ تاویل اور توجیہہ نہ کرے کہ مال و زر کے انبار انہیں مل گئے کیونکہ امریکہ یقیناً سعودی عرب سے زیادہ مالدار، زیادہ تعلیمیافتہ اور عصرِ حاضر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے وہاں چوری اور دوسرے سنگین جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے اور اس کے حساب کے لیے اب منٹ تک ناکافی ہو کر نوبت سیکنڈوں تک آ گئی ہے ۔۔۔ اس کے مقابلہ میں ابن سعود کی پوری مدتِ حکومت ۴۲ سال میں صرف ۱۶ چوری کی وارداتیں ہوئی تھیں جبکہ ابن سعود کا شروع زمانہ فقر و مصائب اور مشکلات کا زمانہ تھا ۔

یہ بجائے خود اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اگر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے تو سوسائٹی میں ہر طرف ٹُنڈے ہی ٹُنڈے نظر آئیں گے ۔ یہ اعتراض بالکل قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر ہر اچھی چیز چھوڑنی پڑے گی ۔ موٹروں کو ایکسیڈنٹ کے خطرے اور سوسائٹی کو اپاہج پیدا کرنے کے الزام میں چھوڑنا پڑے گا ۔ ہوائی جہاز، فیکٹریاں اور تعمیر و ترقی کے سارے پلان بند کرنے پڑیں گے کیونکہ عمومی فائدہ کی ہر چیز میں کسی نہ کسی فرد کے لیے نقصان کا پہلو نکل سکتا ہے ۔

ہم یہاں قدیم و جدید قوموں کے قوانین پر ناقدانہ گفتگو نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف عصرِ حاضر کے ترقی پسند، آزاد، مہذب ذہن اور زندہ ضمیر سے جو حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اتنی گذارش کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کرے کہ قاتل کو قتل کیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور اسلامی قصاص و حدود کو وہ قبول کرے جس طرح عالمی ضمیر نے ویٹ نام میں انسانی ہلاکت کا سامان بہم پہنچایا اور سرخ انقلاب میں پچاس لاکھ انسانوں کو آزادی اور مساوات کے نام پر خاک و خون میں تڑپایا ۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کی اجازت دی، چور کی سزا قتل تک تجویز کی ، سامراجی زمانے میں پھانسی کے تختے لٹکائے، پھر انسانی چربی سے صابون بنائے گئے، انسانی کھال جوتوں میں استعمال کی گئی، آتشیں بموں نے جسموں کو خاکستر بنایا، پستول کی گولیاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ذریعہ ہر پُرامن شہری کے سینہ کو داغدار کرنے کا ارمان رکھتی ہیں اور آبرو باختگی اور جنسی انارکی کے مریض ہر عفت مآب گھرانے کا سکونِ دل لوٹنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں ۔ ایسے پاکباز، طاہر و نظیف اور بیدار مشرقی و مغربی عالمی ضمیر پر ذراسی کوشش بھی اگر کی جائے تو شاید مجرم کو سزا دینے پر وہ راضی ہو ہی جائے اور اسلام کی منظم حدود اسے اپنے غیر قانونی کردار اور جنگل کے دستور کے مقابلہ میں زیادہ منصفانہ اور ہلکی نظر آئیں ۔

داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

عالم عرب، دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو اب بدقسمتی سے اہل مغرب کی نظروں کا مرکز، اُن کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت ولیڈرشپ کیلئے مقابلہ کا میدان بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں اس کی حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عالم عرب کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سنبھل جائیں تو تمام عالم کی قیادت اور دنیائے انسانیت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی ــــــ (عبدالقیوم حقانی)

عالم عرب کی اہمیت دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت وطاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ وامریکہ اور مشرقِ بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رُخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت ووفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدانخواستہ اس کو تیسری (عالمی) جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابلِ کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار، آمدنی، زرخیزی وشادابی، دولت وترقی، تہذیب وتمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب وہوا کی لطافت وحسن وخوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔